

ہم کون ہیں؟

دنیا میں مسلمان ملکوں کی تعداد، تیس یا پچاس ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجموعی آبادی ایک ارب دس کروڑ ہے یا ڈیڑھ ارب۔ یہ بھی بے معنی سی چیز ہے۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ملک مکمل فکری جودہ کیوں شکار ہیں۔ ایک جیسے رویوں کے مالک کیوں ہیں۔ انکا عمل اور رد عمل مکمل طور پر بلکہ حیرت انگیز حد تک یکساں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ اتفاقیہ ہے۔ کیا یہ نامعلوم دشمن کی سازش ہے۔ عذاب ہے یا اسکے ذمہ دار ہم خود ہیں۔

بنیادی طور پر اس پر کالم نہیں بلکہ ایک "مکالمہ" کی ضرورت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک صحت مند بیانیہ کی۔ مگر ان معاشروں میں مکالمہ، کفر قرار دیدیا گیا ہے۔ اختلاف رائے پر آج بھی کسی کوہیں بھی مارا جا سکتا ہے۔ متعدد سوالات ہیں۔ بلکہ سوالات کا ایک اپلتا ہوا سمندر ہے۔ اب تو سوال کرنا بھی مشکل تر بنتا جا رہا ہے۔ مگر پوچھنا تو چاہیے کہ ہم ایسے کیوں ہیں۔ اتنے پسمندہ کیسے ہیں اور ترقی کیوں نہیں کر رہے۔ یہ بھی دریافت کرنے کی اجازت ہونی چاہیے کہ اتنے سائنس دشمن یا علم دشمن کیسے ہیں۔ ان جیسے درجنوں سوالات کا کوئی فی الغور جواب نہیں۔ مگر بہر حال ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو روکا نہیں جاسکتا۔ دنیا کے ان گنت مغربی، مشرقی اور افریقی ملک گھونٹنے کے بعد بہر حال یہ ضرور اندازہ ہو چکا ہے کہ بحیثیت مسلمان، ہم تیزی سے ترقی کرتی ہوئی دنیا سے جو ہری طور پر کٹے ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہم ان سے فکری طور پر مختلف یا متقابل ہیں۔ ویسے اب اس امر سے بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ مسلمان ممالک میں کیا ہو رہا ہے۔ میرے لیے اپنا ملک ہی سب سے اہم ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے "حال" کو "مستقبل" میں بنانے کی وجہے صرف اور صرف "ماضی" پر توجہ دے رہے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سزا کی حد تک تاریخ میں گم ہو چکے ہیں۔ مسلمان عظیم تھے۔ بالکل درست۔ مگر اس بات پر توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے کہ وہ "کیوں" اتنے عظیم تھے۔ اس "کیوں" کا جواب ہونا چاہیے۔ کسی لاہری یہ میں چلے جائیے۔ آپ مسلمانوں کی تاریخ پر بے انتہا کتابیں مل جائیں۔ کسی حد تک درست ہے۔ ہمیں اپنے مااضی کا ادراک ہونا چاہیے۔ مگر صرف مااضی ہی کیوں۔ آج کل کے سائنسی علوم کیا بھر پور توجہ کے قابل نہیں؟ ایک ادارہ کی وسیع لاہری یہی میں انچارج سے پوچھا کہ آج کل نوجوان اور عمر سیدہ لوگ کیسی کتابیں پڑھتے ہیں۔ جواب حیرت انگیز تھا۔ بتایا کہ سیاست یا تاریخ پر کتابیں آجائیں تو دوچار بندے ضرور پڑھتے ہیں۔ مگر سائنس اور جدید علوم کی کتابیں پڑھنے والا کوئی شخص نہیں۔ یہ جملہ معاشرے کے ہر گوشے پر سند کی حد تک درست ہے۔ مجموعی طور پر جب ہم اپنے "حال" کا بے رحم تجزیہ نہیں کر سکتے تو ترقی کیا خاک ہوگی۔ ہمارے اخبارات میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں پاکستانی طالبہ یا طالب علم آئی ٹی کے میدان میں کمال حاصل کر گیا۔ یہ بلاشک ایک قابل تحسین بات ہے۔ مگر کوئی اس بات کو نہیں سوچتا کہ "آئی ٹی" کی ایجاد اور بروقت استعمال میں ہم کیوں اتنے پیچھے رہے۔ سیاسی رہنماؤں میں سے ایک بھی آپ سائنس پر مکالمہ کرتے ہوئے نظر نہیں آیا۔ انکا مقصد توجہ ذاتیت، اندھی تقیید اور منافقت کے لکھر کو پرواں چڑھانا ہے۔ اس میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ بنیادی بات تو یہ بھی ہے کہ ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں جو "آئی ٹی" کو حتم دینے میں مددگار ثابت ہوا ہو۔ تیل کے کنوؤں سے

نایاب جہاز اور بیش قیمت گاڑیاں تو خریدی گئیں مگر ایک بھی جگہ سائنسدان پیدا کرنے کی اہمیت پر غور نہیں کیا گیا۔ "آئی ٹی" کو استعارے کے طور پر استعمال کیجئے۔ اسکو جدید علوم کا عنوان دے دیجئے۔ نتیجہ بالکل یکساں ہے۔ مکمل اور عذاب جیسی جہالت۔ اب تو یہ امید ہی نہیں ہے کہ ہمارے جیسے ملک میں غیر مقلد علوم پر توجہ دی جائیگی۔ شائد نوکری حاصل کرنے کیلئے کوئی پڑھ بھی لے۔ مگر اسکے بعد نتیجہ صفر ہے۔

بر صغیر میں اگر سر سید نہ ہوتے تو معلوم نہیں کیا حال ہوتا۔ سر سید کو ہمارے علماء نے بے انہما ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ بچت صرف اس وجہ سے ہوئی کہ ایک جدید سوچ کے ساتھ ساتھ مذہبی علوم پر بھی قدرے گرفت رکھتے تھے۔ سوچیے کہ اگر بر صغیر کی تاریخ میں سے سر سید کو منہا کر دیں تو باقی کیا بچتا ہے۔ شائد ایکسویں صدی میں بھی بحث جاری ہوتی ہے کہ "ٹرین" میں سفر کرنے سے مسلمان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ پینٹ کوٹ پہننا "کفر" ہے۔ "مو بائل فون" استعمال کرنا بھی کافی حد تک اعتراض کے قابل ہے۔ یہ صرف اور صرف سر سید تھے جنہوں نے بر صغیر کے مسلمانوں کے فکری قحط کو پہچان لیا تھا۔ علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھنے کیلئے انہیں کس قدر مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اسکا ادراک شائد ہمیں آج تک نہیں ہوا۔ قلیل مالی وسائل ہونے کے باوجود سر سید جدید سوچ لانے کیلئے باقاعدہ فکری اعتبار سے لڑتے رہے۔ یونیورسٹی تو انکے انتقال کے بعد وجود میں آئی۔ تکلیف دہ سچ یہ ہے کہ سر سید صرف ایک بار پیدا ہوا۔ اسکے بعد اس سطح کا فکری مجتہد بر صغیر کے نصیب میں موجود نہیں۔ دوبارہ اپنے معاشرے کی طرف لوٹا ہوں۔ ہم مجموعی طور پر تقلید کو اپنی زندگی سمجھ بیٹھے ہیں۔ جدت پسندی اور زمانے کے ساتھ چلنے کے طریقوں کو مشکل نظر سے دیکھتے ہیں۔ پچھلے دنوں، کالج کے زمانے میں حساب کے پروفیسر صاحب کا انتقال ہوا۔ پتہ چلا کہ ابتدائی طور پر غیر مسلم تھے۔ خیر غیر مسلم ہونے سے سماجی طور پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بھی ہمارے ہی دین کا حکم ہے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ پروفیسر صاحب حساب میں ماسٹر زکر نے کے بعد جب پڑھانے لگے تو انہوں نے Postulates سمجھنے کی کوشش کی۔ یہ سعی انہیں وحدانیت تک لے گئی اور مسلمان ہو گئے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید علوم کسی بے راہ روی یا مگر اسی کا سبب نہیں ہیں۔ انکو اپنی تعلیم کی بنیاد بنانے میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے۔ یہاں یہ بھی سوال کھڑا ہوتا ہے کہ اپنے شہرے دور میں مسلمانوں نے جدید علوم میں اس درجے ترقی کیسے کی۔ مشکل ترین مضامین کو اپنے اندر کیسے سمیا۔ معاشرے کو جدید کیسے کر گئے۔ جواب بے حد مشکل مگر آسان ہے۔ ان مسلمان معاشروں نے اپنے اندر گھسن کو کم کیا۔ اپنے سے مختلف بلکہ متقاضاً فکر کو بھی بڑھا دیا۔ علم اور عالم کو معاشرے میں بلند مقام عطا کیا۔ انکی تکریم کی۔ جو کچھ آج سے چند صدیاں پہلے مسلمان معاشرے کر رہے تھے، آج مغربی دنیا عملی طور پر کر رہی ہے۔ کافی حد تک تجربہ اور تجزیہ کو فروغ دے رہی ہے۔ مکمل فکری آزادی بھی کسی حد تک موجود ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ آج ہم لوگ، مااضی کے مسلم معاشروں جتنی برداشت نہیں رکھتے۔ اتنا اطرف اور حوصلہ ہی نہیں ہے۔ مگر سوال صرف جدید علوم کا نہیں ہے۔ اسکے علاوہ بھی بہت سے مسائل ہیں۔

تقریباً تمام مسلمان ممالک شدید عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ سمجھ سے بالاتر نکتہ ہے کہ یہ عدم تحفظ اس درجے کیسے ہو گیا۔ ملکوں کی "شاپنگ لسٹ" دیکھ لجئے۔ اس میں مہلک ترین اسلحہ سر فہرست ہو گا۔ سعودی عرب جیسے امیر ملک نے اپنے آپ کو مقر وض کر لیا۔ مگر آج بھی صرف اسلحہ کی خریداری کو قومی سلامتی کا منبع سمجھتے ہیں۔ ایران کا بھی یہی حال ہے۔ نیوکلیئر تینکنالوجی حاصل کرنے کیلئے

بر باد ہونے کیلئے تیار ہے۔ پاکستان بھی اسی جدوجہد میں مصروف ہے۔ مسئلہ کیا ہے۔ پورا یورپ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہے کہ لڑائی صرف اور صرف تباہی مچاتی ہے۔ صدیوں کے دشمن ملک ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر بین الاقوامی سرحدوں کو نرم کرتے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ پوری یکسوئی سے پوری دنیا کو اپنا تھاج بنارہ ہیں۔ مگر اسکے عکس مسلمان ممالک ایک دوسرے کی گردان کا ٹھنڈے میں مصروف ہیں۔ وجہ کیا ہے۔ کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مگر ایک یکساں وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک میں Non Representative Governments ہیں۔ اسکا اردو ترجمہ کرنہ ہیں سکتا۔ ایکسوں صدی میں کئی مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں پورے ملک کی قدرتی دولت صرف ایک خاندان کی ملکیت میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اس کفتہ کو اہمیت نہ دیں۔ مگر اسرائیل کی مثال لیجئے۔ حکومت میں اصول پسندی اور جمہوریت اس درجہ مضبوط ہے کہ کئی بار حیرت ہوتی ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم اپنے عہدہ پر رہ کر بھی اپنے خلاف ایک انکوازی کو دباؤ نہیں سکتا۔ پولیس اسکے دفتر میں آ کر تفہیش کرتی ہے۔ چوں نہیں کر سکتا۔ اسرائیل کے ساتھ ساتھ کسی مسلم ملک کو دیکھ لیجئے۔ تمام میں شخصی حکومت، بادشاہت یا ایک خاندان کا تسلط ہے۔ حکمرانوں کی ذاتی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ چھٹیاں گزارنے کیلئے اربوں ڈالر خرچ کرنا معمول کی بات ہے۔ مگر وسائل کی یہ بر بادی صرف انہیں حکومتوں میں ممکن ہے۔ جہاں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ امریکہ کا صدر، برطانیہ کا وزیر اعظم، جرمن کی چانسلر اور معاف سمجھئے، اسرائیل کے صدر کو یہ عیاشی نصیب نہیں ہے۔ ظلم یہ بھی ہے کہ حال ہی میں ایک ملک کے فرمانرواء، ٹیونس میں چھٹیاں گزارنے گئے تو تیرہ ارب ڈالر کا خرچ ہوا۔ یہ صرف ایک بار نہیں ہوا بلکہ ہر سال ہوتا ہے۔ مشکل بات یہ ہے کہ پچھلے سال یہی بادشاہ فرانس کے ایک شہر میں تعطیلات گزارنے گئے تو انکے عملے نے سمندر کے ساحل کو اپنے لی مختص کر دیا۔ مقامی عدالت نے بادشاہ کی نہ صرف سر زنش کی بلکہ انہیں باعزت طریقے سے شہر چھوڑنے کا عندیہ بھی دیدیا۔ بغیر کسی جھگڑے کے بادشاہ سلامت واپس اپنے ملک آگئے۔

پاکستان میں زبوں حالی زیادہ ہے۔ نہ ہم بادشاہت کے قائل ہیں، نہ ہی جمہوریت کو اپنے نظام میں جگہ دیتے ہیں۔ نہ جدید رویوں کو دل سے اپناتے ہیں نہ ہی قدیم معاملات کو مکمل طور پر دل سے اُتارتے ہیں۔ فکری طور پر سب سے بدحال قوم کوئی اور نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ ایک ایسی قوم جہاں سوال پوچھنے کی کوئی اجازت نہیں۔ مگر میر اسوال ہے کہ "ہم کون ہیں"۔

راو منظر حیات